© rasailojaraid.com


## رسائل و مسائل

# مصر و شام کا جدید عائلی قانون

کویت سے ایک عرب دوست نے، جو وہاں کے اکابر میں سے ہیں، مولانا مودودی کو مصر کے مشہور اخبار "الاہرام" کا ۲۲ فروری ۱۹۶۰ء کا شمارہ بھیجا ہے جس میں لجان توحید القوانین (مصر و شام کے قوانین کو یکساں کرنے والی کمیٹیوں) کی وہ ترمیمات شائع ہوئی ہیں جو انہوں نے "بیت الطاعۃ" کو منسوخ کرنے اور طلاق و خلع کے حق کو محدود کرنے کے بارے میں طے کی ہیں۔

یہاں یہ بتا دینا نامناسب نہ ہوگا کہ مصر و شام کے اتحاد کے بعد دونوں ملکوں کے قوانین کو متحد کرنے کے لیے دو کمیٹیاں بنائی گئی تھیں جن میں ایک مسلمانوں کے شخصی قوانین کے لیے تھی اور دوسری غیر مسلموں کے شخصی قوانین کے لیے۔ چنانچہ دونوں کمیٹیوں نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ان شخصی قوانین (یعنی قوانین نکاح و طلاق و وراثت) کو یکجا کر دیا ہے جو عمومی لحاظ سے دونوں کے لیے یکساں رہیں گے، البتہ ایسے احکام کو علیحدہ واضح کر دیا ہے جو ہر فرقے کے مذہب سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں اور کسی دوسرے گروہ کے مذہب میں نہیں ہیں۔ دونوں کمیٹیاں اپنی اس مہم سے فارغ ہو چکی ہیں اور اب ان قوانین کو یکم اکتوبر ۶۰ء سے مصر اور شام میں نافذ کر دیا جائے گا۔

مکتوب نگار نے مولانا محترم سے درخواست کی ہے کہ وہ لجان توحید القوانین کی ان ترمیمات کے بارے میں اپنی رائے سے انہیں مطلع کریں۔ ذیل میں ہم ان ترمیمات کو اور مولانا محترم کے جواب کو افادۂ عام کے لیے نقل کر رہے ہیں:

**کمیٹیوں کی ترمیمات**

۱۔ "بیت الطاعۃ" کو منسوخ قرار دیتے ہوئے کمیٹیوں نے فیصلہ کیا ہے کہ

(الف) بیوی کو مسکن شرعی (خاوند کے گھر) میں جا کر رہنے کا حکم اگر کوئی عدالت دے تو یہ حکم کسی صورت میں بھی زبردستی نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ (یعنی اگر عورت ناشزہ ہو جاتے اور شوہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی درخواست پر عدالت اعادۂ حقوقِ زوجیت کی ڈگری دے دے تو اس کے معنی یہ نہ ہوں گے کہ پولیس عورت کو پکڑ کر زبردستی شوہر کے گھر پہنچا ئے گی)

(ب) مسکن شرعی میں جانے سے بیوی کے انکار کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ اس کا حق نفقہ اس وقت تک ساقط رہے گا جب تک وہ انکار پر قائم رہے۔ خواہ خاوند کے ساتھ جانے کا حکم کسی عدالت سے جاری کیا جا چکا ہو یا نہ۔

۲۔ اگر خاوند اپنی زبان سے یا اپنے کسی فعل سے بیوی پر کوئی ایسی زیادتی کرے جو بیوی کی ہم مرتبہ عورتوں کی شان کے منافی ہو، تو خواہ اس نے یہ زیادتی خلوت سے پہلے کی ہو یا بعد میں، عدالت بیوی کے مطالبہ پر چھ ماہ تک کے لیے شوہر کے تمام حقوقِ زوجیت ساقط کر سکتی ہے۔ اس فیصلے سے بیوی کے حق نفقہ اور مطالبۂ طلاق کے حق پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

۳۔ قانون میں وہ تمام صورتیں اور کیفیتیں بیان کر دی گئی ہیں جن میں طلاق دی جا سکتی ہے یا فسخِ نکاح کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں واضح کیا گیا ہے کہ:

ا۔ فسخِ نکاح ہر حالت میں قضائے قاضی (عدالتی فیصلہ) پر موقوف ہوگا۔

ب۔ طلاق صرف قاضی ہی کے روبرو واقع ہو سکتی ہے۔

طلاق اور فسخِ نکاح کے فرق پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ "طلاق کی صورت میں خاوند بیوی کے تمام حقوق ادا کرنے کا پابند ہوگا۔ لیکن اگر خاوند بیوی کو اپنی معاشرت کے لیے موزوں نہ پائے تو وہ "فسخِ نکاح" کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اور اس صورت میں وہ صرف بیوی کے ان ہی حقوق کا پابند ہوگا جو عدالت از روئے قانون اس پر عائد کرے گی۔ فسخِ نکاح کا یہی حق بیوی کو بھی حاصل ہوگا۔

۴۔ طلاق اور فسخِ نکاح کے لیے قانون میں تمام اسباب بیان کر دیئے گئے ہیں ان اسباب کی بنیاد یہ ہے کہ خاوند کو بیوی سے یا بیوی کو خاوند سے کوئی ضرر یا اذیت پہنچے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلہ میں قانون نے پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کر لینے کو بھی پہلی بیوی کے حق میں "ضرر" قرار دیا ہے جس کی بنیاد پر وہ فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

۵۔ طلاق یا فسخ نکاح یا تفریق کے لیے قانون میں جو صورت طے کی گئی ہے وہ یہ ہے:
عدالت زوجین کو بند کمرے میں اکٹھا کرے گی اور ان میں مصالحت کی کوشش کرے گی۔
اگر عدالت اس میں ناکام ہو جائے تو وہ دو ثالث مقرر کرے گی، ایک خاوند کے رشتہ داروں میں سے اور ایک بیوی کے رشتہ داروں میں سے۔ ان ثالثوں کا فرض ہوگا کہ وہ میاں بیوی کے باہمی مخالفت کے اسباب معلوم کریں اور دوبارہ ان کی مصالحت کی کوشش کریں۔

[اگر عدالت کو زوجین کے رشتہ داروں میں سے کوئی موزوں آدمی نہ ملیں تو وہ دوسرے لوگوں میں سے بھی دو ثالث مقرر کر سکتی ہے]

اگر یہ ثالث اصلاح احوال میں ناکام ہو جائیں تو وہ ذیل کے احکام کی جو قانون میں واضح کر دیتے گئے ہیں، پابندی کریں گے:

(۱) اگر یہ واضح ہو جائے کہ زیادتی سراسر خاوند کی طرف سے ہے تو پھر اگر تفریق کا مطالبہ بیوی کی طرف سے ہو تو ثالث طلاقِ بائنہ کا فیصلہ کریں گے اور خاوند پر وہ تمام حقوق عائد کریں گے جو نکاح و طلاق کے باب میں بیوی کو حاصل ہیں۔
اگر مطالبہ تفریق خاوند کی طرف سے ہو تو ثالث خاوند کے دعوے کو رد کر دیں گے

(ب) اگر یہ واضح ہو جائے کہ زیادتی سراسر بیوی کی طرف سے ہے تو ثالث "جبری خلع" کا فیصلہ کریں گے۔ بیوی کو پورا مہر اور دیگر تحائف خاوند کو واپس کرنے ہوں گے۔ اور نفقہ عدت کے سوا بیوی کے تمام حقوق ساقط ہو جائیں گے۔

(ج) اگر یہ واضح ہو جائے کہ زیادتی میں دونوں برابر کے شریک ہیں تو اس صورت میں یہ طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

— اگر تفریق کا دعویٰ خاوند کی طرف سے ہو تو عدالت اس کے دعوے کو رد کر دیگی۔

— اور اگر تفریق کا دعویٰ بیوی کی طرف سے ہو یا دونوں کی طرف سے ہو تو پھر ثالث "جبری خلع" کا فیصلہ کریں گے۔ خاوند نصف مہر ادا کرے گا اور بیوی نصف تحائف واپس کرے گی۔

— اگر وہ تحائف استعمال میں آچکے ہوں تو بیوی ان کی نصف قیمت ادا کرے گی۔

— اگر زوجین کے درمیان خلوت ثابت ہو چکی ہو تو تحائف کی قیمت اُس دن کے حساب سے لگائی جائے گی جس دن مخالفت کا آغاز ہوا تھا بشرطیکہ وہ رقم قیمت خریداری سے زیادہ نہ ہو۔ اور اگر خلوت ثابت نہ ہو تو مطلقاً نصف قیمت ادا کرے گی۔

## مولانا محترم کا جواب

یہ بات بہت افسوسناک ہے کہ پہلے اپنے ملکی قوانین (PUBLIC LAW) کے لیے کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ کو چھوڑ کر مغربی مآخذ کی طرف جن مسلمان ملکوں نے مسلمان ہونے کے باوجود رجوع کیا تھا، وہ اب ہر جگہ احوالِ شخصیہ کے متعلق اسلامی قانون (PERSONAL LAW) میں بھی مغرب ہی کے نقطۂ نظر کو قبول کر کے ترمیمات کا سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ کفار اپنے دورِ اقتدار میں مسلمانوں پر یہ زیادتی نہ کر سکے تھے کہ ہمارے نکاح و طلاق بھی ہماری شریعت کے مطابق نہ ہو سکیں۔ یہ زیادتی اب ہم پر خود مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ہو رہی ہے۔ پہلے یہ قدم ٹرکی اور البانیا میں اٹھایا گیا تھا۔ اب مصر اور تونس اس راہ پر جا رہے ہیں اور افسوس ہے کہ پاکستان کے قدم بھی اسی راہ پر اٹھ رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں آپ نے مجھے "الاہرام" کا جو پرچہ بھیجا ہے، اس میں مصر کے قوانینِ شخصیہ کی تازہ ترمیمات میں نے دیکھیں۔ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ بیشتر ترمیمات اسلامی فقہ اور کتاب و سنت کے احکام کے بالکل خلاف ہیں۔ درحقیقت اس طرح کی ترمیمات اجتہاد کی تعریف میں نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



آئیں، کیونکہ اجتہاد کہتے ہیں کتاب و سنت سے احکام مستنبط کرنے کو۔ لیکن یہ ترمیمات، مغربی افکار و نظریات اور خود اپنی خواہشِ نفس سے احکام اخذ کر کے کی گئی ہیں اور انہیں "قانونِ اسلام" کے نام سے زبردستی مسلمانوں پر ٹھونسا جا رہا ہے۔

ان ترمیمات میں سے جہاں تک "بیت الطاعۃ" کے اِلغاء کا تعلق ہے، میرے نزدیک یہ کچھ قابلِ اعتراض نہیں ہے[1]۔

لیکن یہ چیز بالکل خلافِ شرع ہے کہ اگر شوہر بیوی کی توہین یا دل آزاری کرے تو بیوی کے دعویٰ کرنے پر عدالت چھ ماہ کے لیے شوہر کے تمام حقوقِ زوجیت اس پر سے ساقط کر سکتی ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس کے لیے کوئی ماخذ کتاب و سنت میں موجود نہیں ہے۔ یہ صرف مغرب زدہ ذہن سے نکلی ہوئی چیز ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس چھ ماہ کی مدت میں عورت یا مرد کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے تو اس کی ذمہ داری دنیا و آخرت میں اُن لوگوں کے سوا اور کس پر ہوگی جنہوں نے قانونِ اسلام کے احکام اور روح دونوں سے بغاوت کر کے بیویوں پر سے شوہروں کے حقوقِ زوجیت کو ساقط کرنے کا یہ اصول اپنے نفس سے گھڑ لیا ہے۔ اسلام میں تو کسی عدالت کو اس طرح کے اختیارات نہیں دیئے گئے ہیں۔

اس قانون کی یہ دفعہ کہ فسخِ نکاح تمام احوال میں قضائے قاضی پر موقوف ہے، اپنی جگہ صحیح ہے۔ لیکن اس دفعہ کا یہ جزء کہ طلاق صرف عدالت کے سامنے واقع ہو سکتی ہے بالکل غلط اور احکامِ شرعیہ کے قطعاً خلاف ہے۔ مَیں حیران ہوں کہ جو اہلِ علم حضرات اس مجلس میں شامل تھے، انہوں نے کیا سمجھ کر یہ جُز اس دفعہ میں رکھا ہے؟ کتاب و سنت میں کس جگہ اس کا کوئی ماخذ موجود ہے؟ قرآن مجید شوہر کو مطلقاً طلاق دینے کا حق دیتا ہے۔ بلکہ قرآن کے اشارات سے یہ بات صاف مترشح ہوتی ہے کہ طلاق گھر ہی میں شوہر اپنی بیوی کو

[1] مصر کے قانون میں بیت الطاعۃ کا مطلب یہ ہے کہ اگر عدالت کسی ناشزہ عورت کو خاوند کے گھر جا کر رہنے کا حکم دے اور وہ اس کی تعمیل نہ کرے تو پولیس زبردستی اسے خاوند کے ہاں پہنچائے گی اور وہاں اسے بند کر کے رکھا جاسکے گا۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



دے سکتا ہے۔ قرآن کی رُو سے ایک شوہر کسی کے سامنے یہ بیان کرنے پر مجبور نہیں ہے کہ وہ بیوی کو طلاق کیوں دے رہا ہے، نہ اس کے اختیار طلاق پر اس قسم کی کوئی پابندی ہے کہ وہ وجوہِ طلاق کے بارے میں کسی دوسرے شخص کو مطمئن کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں جن لوگوں نے بھی اپنی بیویوں کو طلاق دی ہے اپنے گھروں ہی میں دی ہے اور کوئی مثال اس کی موجود نہیں ہے کہ قاضی کے سامنے آکر طلاق دی گئی ہو یا کسی طلاق دینے والے شوہر سے یہ مطالبہ کیا گیا ہو کہ تو قاضی کو وجوہِ طلاق بتا اور ان وجوہ کی معقولیت ثابت کر۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس قانون کے بعد کوئی شخص اپنے گھر میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی کیا حیثیت ہوگی؟ اگر قانوناً وہ نافذ نہ ہو اور شرعاً وہ بہرحال نافذ ہوگی تو ان میاں بیوی کے تعلقات کی کیا نوعیت ہوگی؟ عدالت اور قانون کی رو سے وہ جائز میاں بیوی ہوں گے، باہم مباشرت کر سکیں گے اور اولاد پیدا کر سکیں گے۔ مگر شرعاً وہ زانی ہوں گے اور ان کی اولاد حرامی ہوگی، اور مسلم معاشرہ ان کے باہمی تعلق کو ہرگز حلال نہ مانے گا۔ خود ان زوجین کو بھی کبھی یہ دلی اطمینان میسّر نہ ہوگا کہ وہ آپس میں حلال تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن اگر شرعی احکام کے مطابق وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں تو انہیں عمر بھر تجرد کی زندگی گزارنی ہوگی، کیونکہ آپ کا قانون نہ عورت کو دوسرا نکاح کرنے دے گا نہ مرد کو۔

موجودہ زمانے کے قانون سازوں کو ہرگز اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ مسلمان قرآن و حدیث کے بالکل معروف و مشہور احکام کے خلاف جاری کیے ہوئے قوانین کو کبھی دل سے صحیح مان لیں گے، یا ان قانون سازوں کا کبھی وہ مرتبہ تسلیم کریں گے جو ابوحنیفہ و شافعی اور مالک و ابن حنبل کا، ان کے علم و تقویٰ اور دیانت و احتیاط کی بنا پر انہوں نے تسلیم کیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ جو حقوق و اختیارات شریعت نے کسی کو دیئے ہوں ان کو سلب کرنے یا ان پر بے جا پابندی عائد کرنے کا ان نام نہاد قانون سازوں کو آخر کیا حق ہے؟ طلاق کے معاملے میں عدالت کی پخ لگانے کا تصور سراسر فرنگی ہے۔ اسلامی اصول قانون سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کو کوئی واسطہ نہیں حیرت یہ ہے کہ ان ضرورت سے زیادہ عقلمند لوگوں نے کبھی آنکھیں کھول کر یہ بھی نہ دیکھا کہ مغربی ممالک میں طلاق کو قضائے قاضی سے مقید کر دینے کے کیا بُرے نتائج نکلے ہیں۔ عورت اور مرد کے درمیان منافرت کے بیشمار وجوہ ایسے ہوتے ہیں جنہیں کسی کے سامنے بیان نہیں کیا جا سکتا، یا جن کو دوسرے لوگ محسوس کر کے معقول وجوہ نہیں مان سکتے۔ اگر طلاق عدالتی فیصلے پر موقوف ہو جائے تو لازماً ایک مرد کو اپنی بیوی پر ایسے الزامات لگانے ہونگے جن سے وہ یہ امید کر سکے کہ عدالت انہیں معقول وجوہ مانے گی۔ یہ محض قیاس نہیں ہے بلکہ مغربی ممالک کا تجربہ یہی ہے اور اس نے مغربی معاشرے کو فتنوں (SCANDALS) سے بھر دیا ہے اسلام نے ہمیں اس آفت سے بچایا تھا۔ مگر مغرب کے اندھے مقلد ہمیں اس گڑھے میں جھونک دینے پر تلے ہوئے ہیں۔

اس قانون کی یہ دفعہ بھی بالکل غلط ہے کہ کسی دوسری عورت سے شادی کر لینا بھی ان قانونی اسباب میں شامل کر لیا جائے، جن کی بنا پر عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا حق رکھتی ہے یہ حق خدا اور اس کے رسول نے عورت کو نہیں دیا ہے۔ اُس کے ساتھ اگر بے انصافی ہو، شوہر اس کے حقوق ادا نہ کرے، یا اسے معلق رکھ چھوڑے تو وہ بلاشبہ شرعاً عدالت سے رجوع کرنے اور انصاف کا مطالبہ کرنے کا حق رکھتی ہے لیکن مجرّد اس بنیاد پر کہ شوہر نے دوسری بیوی کر لی ہے وہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں رکھتی۔ اگر فقہ اسلامی میں اس حق کا کوئی ماخذ کسی کے پاس ہو، تو وہ ہمیں بتلائے کہ مجرد نکاح ثانی کو پہلی بیوی کے لیے فسخ نکاح کے مطالبہ کی جائز بنیاد قرار دینا کس آیت یا کس حدیث یا فقہائے مجتہدین میں سے کس کے قول پر مبنی ہے؟ اگر اسلامی قانون کے مصادر و ماخذ میں یہ چیز موجود نہیں ہے تو سیدھی طرح سے یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ اب ہمارے مسلمان قانون دان سنن انبیاء کو چھوڑ کر اس مشرک مذہب کی طرف رجوع کر رہے ہیں جس کا یہ نظریہ یورپ کو وراثت میں ملا ہے کہ تعدد ازدواج بجائے خود ایک برائی ہے جسے مٹا دیا جانا چاہیے۔ اس برائی کے تصور کو قبول کر کے جتنی ترمیمات بھی فقہ اسلامی میں کی جائیں گی وہ سب کی سب غیر شرعیت

© rasailojaraid.com

ہے ہم